ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

# محمد حمید شاہد کی ناول نگاری

## MUHAMMAD HAMEED SHAHID AS NOVELIST

**Syed Ali Hussain Naqvi**

M.Phil (Urdu), Institute of Southern Punjab , Multan

asain2452@gmail.com

**Dr. Munawar Amin**

Assistant Professor ,Department of Urdu Institute of Southern Punjab , Multan

drmunawaramin143@gmail.com

**Abstract**

*Muhammad Hameed Shahid is a researcher , critic , fictionist, and novelist. He shown himself as a great creator through his work. He has great command on language that's why He called Global personality . He has written two novals "Matti Adam khati ha"and "Jung me Mohabbat ki Tasveer Nahi Banti". In his frist novel , he has written about the reality of human love for his creation (Matti). In secound novel , he has written about East Pakistan . This novel carries the theme of love . According to him, after partition people of East-Pakistan love with Pakistan but the people of Pakistan did not love with Pakistan .He has great insight in the art of charaeterinzation . Through his charactes, he has displayed the reality of social problems and real face of the society .*

**Key words:** Society Love , Social Problems, Social Values , Migration

ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے جو اطالوی زبان "ناولا"(Novella) سے نکلا ہے۔ جس کے معنی نیا، انوکھا، اچھوتا کے ہیں۔ لیکن ادبی اصطلاح میں ناول کے معنی قصہ یا کہانی کے ہیں۔ ایسے واقعات جس میں قیاس نہ ہوں۔ جس کا موضوع انسانی زندگی ہو۔ ناول میں انسانی زندگی کے حالات و واقعات کو گہرائی سے مشاہدہ کرنے اور خاص ترتیب کی صورت میں کہانی پیش کرنے کو ناول کہتے ہیں۔ آج کل کا انسان مختلف مشکلات میں گھرا ہوا ہے ان مشکلات کو قصہ کی صورت میں پیش کرنے کو ناول کہتے ہیں۔

آل احمد سرور ناول کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"ناول ایک مسلسل قصے کا دوسرا نام ہے"(1)

ناول کی مختلف اقسام ہیں۔ لیکن اس کو آسانی کے لیے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک رومانی اور دوسری نفسیاتی ہے۔ رومانی ناولوں میں واقعات پر زور دیا جاتا ہے۔ اس میں اصلاح، تفریح یا مسرت سے کام لیا جاتا ہے۔ جبکہ نفسیاتی ناول میں حقیقت نگاری زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں سیرت اور حقیقت پر لکھا جاتا ہے۔

اردو ادب میں ناول نگاری کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ جس طرح اردو کی دوسری اصناف کی تاریخ ہے اس طرح ناول کی بھی اتنی پرانی تاریخ ہے۔ ناول کی ابتدا اٹلی کے شاعر اور ادیب جینووینی بوکاشیو نے 1355ء میں ناویلا سٹوریا نامی کہانی سے کیا۔ انگریزی میں پہلا ناول "پامیلا" کے نام سے لکھا گیا اور اس کا لکھنے والے کا نام سمیویل رچرڈسن تھا۔ اور یہ ناول 1840ء سے 1841ء تک شائع ہوتا رہا ہے۔ اردو ادب میں ناول کا آغاز انیسویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اردو ادب میں پہلا ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کو گردانا جاتا ہے۔ بعض نقاد نذیر احمد کو پہلا ناول نگار تسلیم نہیں کرتے۔ بعض نقاد کہتے ہیں نذیر احمد ناول کے فن پر پورا نہیں اتُرتے لیکن زیادہ تر نقاد اور ادیب ڈپٹی نذیر احمد کو ہی اردو کا پہلا ناول نگار تسلیم کرتے ہیں۔ نئ تحقیق کے مطابق ڈپٹی نزیر احمد سے پہلے 1862ء میں "خط تقدیر" کے نام سے مولوی عبدالکریم کا ناول شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر محمود الہی اپنی تحقیق کے مطابق "خط تقدیر" کو اردو کا پہلا ناول مانتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کے بعد دوسرا بڑا نام رتن ناتھ سرشار ہیں جو بیسویں صدی میں اردو ناول کا آغاز ہوا اس کے آخر تک نذیر احمد کے علاوہ رتن ناتھ سرشار ایک ایسے تخلیق کار بن کر سامنے آئے۔ رتن ناتھ سرشار نے اپنی بساعت واستداعت کے مطابق اردو ناول کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا۔ ڈپٹی نذیر احمد اور سرشار کے بعد ایک بہت بڑا نام مرزا ہادی رسوا کا ہے۔ مرزا ہادی رسوا نے "امراؤ جان ادا" لکھ کر ناول کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا۔ اس ناول میں رسوا نے انسانی نفسیات کو پیش کیا۔ اس کے بعد اردو نال میں ایک نیا رجحان پیدا ہوا وہ رجحان رومانیت کا تھا۔ اس رجحان کا بڑا نام عبدالحلیم شرر کا ہے۔ عبدالحلیم شرر نے ناول "فردوس بریں" لکھ کر تاریخی حقائق کو رومانوی انداز میں پیش کیا۔ اس طرح یہ سفر آگئے بڑھتا رہا ان ناموں میں پریم چند، عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر، خدیجہ مستور، ممتاز مفتی، انتظار حسین، عبداللہ حسین، بانو قدسیہ، انور سجاد، کرشن چند، مستنصر حسین تارڑ، شمس الرحمن فاروقی اور محمد حمید شاہد کا بھی آتا ہے۔

محمد حمید شاہد ایک محقق، ادبی نقاد، افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ آپ اپنی تخلیقی صلاحتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ آپ محبت کرنے والے اور شفیق انسان ہیں۔ آپ شروع سے ایک اچھے طالب علم تھے لیکن کبھی نمایاں پوزیشن حاصل نہیں کر سکے۔ آپ شروع سے اوسط درجے کے طالب علم تھے۔

محمد حمید شاہد چیزوں کو رٹہ لگانے کے خلاف تھے۔ محمد حمید شاہد کو چیزوں اور واقعات کو دیکھنے اور سمجھنے کا نظریہ دوسروں سے الگ تھا۔ وہ شروع سے ہی نصابی کتب کو بھی رٹہ لگانے کی بجائے ان کو سمجھ کر پڑھنے کے قائل رہے ہیں۔ یہ چیز ان کے ناولوں میں بھی نظر آتی ہے جو کچھ معاشرے میں ہو رہا ہوتا ہے اس کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میٹرک کے بعد آپ نے فیصل آباد زرعی یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایف۔ ایس۔ سی کی۔ آپ نے 1983ء میں بی ایس سی آرنرز کیا۔ اس کے بعد ایف سی ایل کرنے کے لیے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ لیکن والد صاحب کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے گھر واپس لوٹ آئے اور تعلیم کا یہاں پر اختتام ہوا۔

1983ء سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔آپ نے زرعی ترقیاتی بینک میں ملازمت اختیار کی۔آپ زرعی ترقیاتی بینک میں مختلف علاقوں اور عہدوں پر کام کیا۔آپ نے اپنا ادبی سفر اپنے ایف ایس سی کے دور سے شروع کیا تھا۔سب سے پہلے آپ نے سیرت النبیﷺ کے موضوع پر کتاب لکھی۔جو "پیکر جمیل" کے نام سے 1983ء میں شائع ہوئی۔آپ کو مطالعہ کا شوق اپنے والد صاحب سے ملا۔مختلف وقت میں مطالعہ کیا کرتے تھے۔آپ نے ناول نگاری میں ابھی تک دو ناول لکھے ہیں۔ایک کا نام "مٹی آدم کھاتی ہے" اور دوسرا "جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی"۔

پہلا ناول 2007ء میں شائع ہوا۔جو زبردست حقیقت نگاری پر مبنی تھا۔اس میں مٹی سے محبت کے نتیجہ میں ہونے والے المیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس میں انسان بھی مٹی ہے اور مٹی بھی مٹی ہے آخر انسان کو ایک دن فنا ہونا ہے۔محمد حمید شاہد اس ناول میں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ آپ معاشرے میں جتنے بھی بڑے بندے ہوں آخر ایک دن مرنا ہے اور مر کر اسی مٹی میں جانا ہے۔آپ اتنے کیوں مغرور ہوں آپ کی خِلقت بھی مٹی کی ہے اور ایک غریب نوکر کی خلقت بھی مٹی کی ہے۔اس نے بھی اسی زمین میں جانا ہے اور آپ نے بھی۔یہ شان و شوکت صرف عارضی ہے جو آج ہے کل نہیں ہو گی۔اصل میں محمد حمید شاہد اس ناول میں انسانیت کا درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔انسانیت کے انسانیت کے ساتھ ہونے والے سلوک کو بتا رہے ہیں۔

یہ ناول قاری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔اس ناول کے بارے شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کہتے ہیں کہ اس میں "دکھ کی کتاب" ہے جو محمد حمید شاہد بیان کر رہے ہیں۔اس ناول کو پڑھنے والا اپنی جذباتی کیفیت کو کنٹرول نہیں کر سکتا وہ اس میں احساس و جذبات شامل کر دیتا ہے۔اس ناول میں جائیداد کا غرور اور غریب کی مجبوریاں دیکھ سکتے ہیں۔

" کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ جینا اور دکھ سہنا ایک ہی شے ہے
یا یوں بھی کہیں تو غلط نہ ہو گا کہ جو دکھ سہتا ہے وہی جیتا ہے "(2)

محمد حمید شاہد کو یہ کہانی 8 اکتوبر 2005ء کو آنے والے زلزلہ سے ملی۔ایک بہت بڑی حویلی جو اس زلزلہ کی وجہ سے تباہ ہو گئی تھی جس کے ملبے سے یہ مواد ملا۔زلزلہ کی وجہ سے کئی لوگ مر گئے تھے اور کئی لوگ بے گھر ہو گئے تھے۔لیکن یہ کہانی اِس زلزلہ کی نہیں ہے۔یہ ایک ایسے بندے کی یادداشتوں کی کہانی ہے جو متروک ہو گیا ہے غیر واجب ہو گیا ہے۔محمد حمید شاہد کے موضوعات منشا یاد سے ملتی جلتی ہے۔محمد حمید شاہد کا تعلق زیادہ سیاسی ہیں جبکہ منشا یاد سماجی ہیں۔ناول کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی رقمطراز ہیں:

"محمد حمید شاہد کی دوسری بڑی صفت ان کے موضوعات کا تنوع ہے
اس لحاظ سے وہ منشا یاد سے کچھ کچھ مشابہ لگتے ہیں۔"(3)

اس ناول کا پلاٹ بہترین ہے اور خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ایک ایسی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے کہ بندہ اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور اس کو پڑھنے کا تجسس پیدا ہوتا رہتا ہے۔اس ناول نے معاشرے کی بہترین عکاسی کی ہے۔اس ناول میں سماجی، معاشرتی، رومانوی پہلو پائے جاتے ہیں۔محمد حمید شاہد نے اس ناول میں کردار نگاری کے فن کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔حقیقی کردار پیش کیے ہیں جو معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔کرداروں میں خان جی، زرجان، منیبہ، کپتان جلیل، سلیم، شہروز خان، دراز خان اور راوی ہیں۔یہ سب کردار چھوٹے چھوٹے اور ترتیب سے ہیں جو اس کہانی کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

اس ناول میں ایک حویلی ہے جس میں دلاور خان کی حکومت چلتی ہے اور وہ اپنے چھوٹے بھائی کو اس حویلی سے اس لیے نکال دیتا ہے کہ اس نے ایک کم ذات لڑکی سے شادی کر لی ہے۔جبکہ خود ایک نوکر کی بیٹی سے غیر اخلاق تعلق رکھتا ہے۔اس سے شادی کرتا ہے اور اس لڑکی کو حویلی میں نہیں لے آتا کہ کہیں اس کا باپ اس کو بھی نہ نکال دے۔اس کے باپ کو جب معلوم ہوتا ہے کہ دلاور نے ایسا کیا ہوا ہے تو وہ اس لڑکی کا نکاح اپنے کسی خاص نوکر سے کرا دیتا ہے اور اس کی شادی اپنے دوست کی بیٹی سے کرا دیتا ہے۔یہ ذات پات کا چکر ایسا چلتا ہے کہ آخر میں اسی نوکرانی کے بچے کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہے۔اس میں نفرت بھی دِکھائی گئی ہے اور پیار بھی۔ طبقاتی کشمکش پورے ناول میں عروج پر ہے۔احترام انسانیت اور آدمیت مفقود ہے۔

دلاور خان ساری زندگی اپنے بھائی کو حویلی میں نہیں آنے دیتا۔اس کے باوجود اپنے بھائی کے بیٹے کو گھر لے آتا ہے اور اس کی شادی اپنی بیٹی سے کرا دیتا ہے۔سلیم پہلے سے منیبہ سے پیار کرتا ہے جو بنگالن ہے۔جبکہ زرجان بھی کسی اور لڑکے سے پیار کرتی ہے۔ اس میں یہ دیکھایا گیا ہے کہ زبردستی کے رشتے کبھی کامیاب نہیں ہوتے اس لیے بچوں کی پسند نہ پسند شامل ہونی چاہیے۔جو آج کل معاشرے میں ہو رہا ہے لڑکی کو پتا نہیں ہوتا کہ اس کی شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے اور وہ کیسا لڑکا ہے۔بعد میں یہی حال ہوتا ہے رشتے نہیں چلتے اور نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔اس ناول کی کہانی کا درمیان میں ایک اور موڑ آتا ہے جب کہانی بنگلہ دیش جا نکلتی ہے۔

سلیم کی وہاں ایک لڑکی منیبہ سے ملاقات ہوتی ہے۔منیبہ ایک خوبصورت بنگالن ہے جو بنگالی فوجی کپتان جلیل کی بیوی ہے۔اس کو اچھی لگنا شروع ہو جاتی ہے لیکن اُس کو پتا نہیں ہوتا کہ وہ بھی اس سے پیار کرتی ہے کہ نہیں۔اُس کے پیار کا پتا اِس وقت پتا چلتا ہے۔جب بنگلہ دیش میں انڈیا مداخلت کر رہا تھا اور بنگلہ دیش کی عوام کو پاکستان کے خلاف کرنے کی سازش کرنے میں مصروف عمل تھا اور پاکستانی فوجیوں کو مار رہا تھا بنگالی فوجیوں کے ساتھ مل کر۔منیبہ سلیم اور اس کے ساتھیوں کو فرار کرنے میں مدد کرتی ہے اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے لیکن سلیم کے ساتھی اس کو ساتھ نہ لے جانے پر باضد ہوتے ہیں۔اور مکتی باہنی والے اس کو وہی ساحل پر ہی مار دیتے ہیں۔ناول سے اقتباس:

"ابھی تک ہم دونوں پانی میں کھڑے تھے۔انہوں نے اسٹیمر کا انجن چلا دیا میں بوکھلا
کر اسٹیمر کی طرف لپکا۔اسی اثنا میں ادھر سے سنسناتی ہوئی گولی آئی اور میری ران کو
چیرتی ہوئی نکل گئی۔منیبہ سب کچھ بھول کر یوں میری جانب بڑھی جیسے پھر زندہ
ہو گئی ہو۔اس نے مجھے تھام لیا اور ایک لمحے کا بھی توقف کیے بغیر مجھے سٹیمر کی طرف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

دھکیلا اور اس پر چڑھنے میں مدد دی۔اب اسٹیمر کا رخ گہرے پانیوں کی طرف تھا مگر
وہ وہیں کھڑی رہی۔ میں نے صاف صاف دیکھا تھا کہ فوراً بعد اس کا جسم وہیں پانی کے
اوپر تک اچھلا تھا۔ میں نے گولی کی آواز نہیں سنی تھی محض اس کا اچھلتا ہوا جو دیکھا
اور یہ بھی دیکھا کہ جہاں سے پانی کے چھینٹے اوپر کو اٹھے تھے وہاں کوئی اور حرکت نہیں
ہوئی تھی۔(4)

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ بنگالی لوگ پاکستانیوں کو پسند کرتے ہیں لیکن پاکستانی اُن کی محبت کو سمجھ نہیں سکے اور نہ ہی اُن کو حقوق دے سکے جس کی وجہ سے انہوں نے ڈوبتے ہوئے بنگلہ دیش کو اکیلا چھوڑ دیا۔ بنگلہ دیش کو ایک محبوبہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ محبوبہ جو ہمارے ساتھ 14 اگست 1947ء کو آئی تھی لیکن ہم نے اس کے پیار کو نہیں سمجھ سکے اور اِس سے جدا ہو گئے۔اس کہانی کو واپس پاکستان اور اسی حویلی میں لے آتے ہیں جہاں سے شروع ہوئی تھی۔اس حویلی میں جس میں انسان کو انسان نہیں سمجھا جاتا ۔جہاں غریب پر ظلم ہوتا ہے۔ جہاں نوکروں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی جہاں نوکروں سے صرف کام کرایا جاتا ہے لیکن ان کے بنیادی حقوق پورے نہیں کئے جاتے۔اس ناول میں بہترین زبان و بیان کے ذریعے ناول کو مزید خوبصورت بنایا گیا ہے۔اس ناول میں ایک کردار خان جی کا ہے جس کے بارے میں عبید اللہ عابد لکھتے ہیں :

"اس ناول میں ایک کردار خان جی بھی ہے شاید
یہ وہی خان جی ہے جسے کوئی نہ کوئی بابار حمتا دوام
بخشار ہتا ہے۔مشرقی پاکستان ٹوٹا تو اس کی بنیادی
وجہ جسٹس منیر کا ناجائز فیصلہ تھا۔اور پھر خان جی
نے اپنے آپ کو عقل کل سمجھا اور دس برس تک
دونالی بندوق لے کر ہر طرف گھومتا پھرتا رہا،
بنگالیوں کو برے القابات سے پکارتا رہا ان کا مذاق
اڑاتا رہا،ان کی تحقیر کرتا رہا۔اس کے بعد بھی ایک
سے بڑھ کر ایک "خان" آیا۔اور ہر کسی بڑے اثر
رسوخ والے بندے نے خان کا عقیدت مند ثابت
ہوا اسے ناجائز جواز فراہم کرتا رہا،اس کا سہولت کار
بنا رہا۔" (5)

محمد حمید شاہد کے دوسرے ناول کا نام "جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی" ہے۔یہ ناول 2019ء میں شائع ہوا۔پہلے ناول کی طرح یہ ناول بھی بہترین ناول ہے۔ اس ناول میں محمد حمید شاہد نے جنگ اور محبت دو متضاد چیزوں کے بارے میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ جس ملک میں جنگ ہو رہی ہو وہاں محبت نہیں کی جا سکتی۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جس میں اپنے محبوب کی تمام تر خطائیں معاف کر دیں جاتیں ہیں۔ جنگ میں اس ملک کی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے رویے سخت اور اخلاق ختم ہو جاتا ہے۔ جو قوم زیادہ جنگجو ہوا س قوم میں پیار کا انداز بھی جنگ والا ہی ہو جاتا ہے۔ محمد حمید شاہد نے اس ناول میں افغان جنگ کے بارے میں تھوڑا سا لکھنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کہانی محمد حمید شاہد نے ریمنڈ کارور کی کہانی "کیتھڈرل" سے لی ہے۔اس کہانی میں ایک آندھا آدمی ہوتا ہے جو راوی کی بیوی کا دوست ہوتا ہے۔ جو اپنی بیوی کے مرنے کے بعد کنکٹیکٹ میں اپنے سسرال آیا ہوا ہوتا ہے اور وہاں سے راوی کی بیوی کو فون کر کے راوی کے گھر آ جاتا ہے۔ یہ کہانی اس علاقے اور ملک کی ہے جہاں امن اور سکون ہے۔ جبکہ محمد حمید شاہد نے جو کہانی لکھی ہے اس میں ایک ایسے علاقے اور ملک کی ہے جہاں نہ امن ہے اور نہ ہی سکون ہے۔ محمد حمید شاہد کے ناول کا مرکزی کردار ایک اندھی/نابینا عورت ہے۔یہ بے سکونی اور امن نہ ہونے کی وجہ ایک لا متناہی جنگ ہے۔یہ جنگ بھی عجیب جنگ ہے جو ریمنڈ کے امریکہ نے افغانستان میں بے سکونی پھیلائی ہوئی ہے۔اِسی ملک نے پہلے روسیوں کے ساتھ جنگ کرائی افغانیوں کی اب خود لڑ رہا ہے۔اُس وقت جو روسیوں کے خلاف لڑ رہے تھے وہ اُس وقت مجاہد تھے لیکن اب وہ دہشت گرد ہیں کیونکہ وہ اپنی مرضی اور اسلامی قانون کے مطابق اپنے ملک کو چلانا چاہتے ہیں۔یہ کہانی امریکہ سے اس لیے ملتی ہے کہ جب میڈیا کے مطابق امریکہ پر حملہ ہوا۔اس وقت میڈیا نے اتنے یقین نے کہاں کہ افغانی مجاہدوں نے امریکہ میں دہشت گردی کی ہے اور ہر بندہ اس کو سچ سمجھنے لگا۔ جیسا کہ ناول سے اقتباس ہے :

"وہ منگل کا دن اور نویں مہینے کی گیارہ تاریخ تھی۔ کوئی پونے
نو بجے کا وقت ہو گا کہ دو مسافر طیارے انتہائی نیچی پرواز کرتے
ہوئے ایک سو دس منزل بلند ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دونوں ٹاورز
میں گھس گئے،اُسی روز کوئی ساڑھے نو بجے سے اوپر ہی وقت ہو
گا کہ ایک طیارہ انتہائی حساس ادارے،پینٹا گون کی عمارت میں
جا گھسا،کہتے ہیں اس طیارے کے گرنے کے چند ہی منٹ بعد ہی
منٹ بعد محکمہ خارجہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے قریب کار بم
دھماکا ہوا،چوتھا جہاز پنسلوانیا میں مار گرایا گیا یہ اوپر تلے کے ایسے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ذہانت سے ترتیب دیے گئے واقعات تھے کہ میڈیا کا کہا سچ لگنے
لگا؛امریکہ پر حملہ ہو گیا۔افغانستان پر امریکہ کی چڑھائی اس
حملہ کا جواب تھا۔(6)

امریکہ کی سیکورٹی اتنی سخت ہے کہ وہاں جہاز کیسے آ گئے ؟اور کس بیس سے اُڑے ؟اور ان طالبان کے پاس جنگی طیارے آئے کہاں سے ؟ یہ چند سوال تھے جو کسی نے نہیں اٹھائے اور میڈیا کی بولی ہوئی بات پر یقین کر لیا۔امریکہ نے افغانستان کے طالبان کے ساتھ تقریباً بیس سال تک جنگ کی ہے ۔لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ باقی سارے افغانستان کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے ۔ محمد حمید شاہد نے اس جنگ کے نتیجہ میں بے گھر ہونے والے ایک خاندان کا ذکر کیا ہے جو روس کی جنگ کے وقت بھی پاکستان میں آ جاتا ہے اور جب جنگ ختم ہوتی ہے تو اپنے ملک چلا جاتا ہے۔ جبکہ اب ہونے والی جنگ میں بھی اپنا گھر جائیداد کاروبار چھوڑ کر پاکستان آ جاتا ہے اور یہاں ہونے والے مسائل کے بارے میں لکھا ہے۔اس ناول میں ایک افغانی خاندان کی کہانی ہے جو سکون کی تلاش میں نکل کر پاکستان آ رہا ہوتا ہے کہ اِس پر حملہ ہو جاتا ہے جس میں غنی قندھاری کی بیوی شہید ہو جاتی ہے جبکہ غنی کی اپنی ٹانگ جھلس جاتی ہے۔ غنی قندھاری کا جوان بیٹا جس کے اچھے مستقبل کے لیے وہ اسے محفوظ مقام پر لے جا رہا ہوتا ہے وہ اس حادثہ کی وجہ سے واپس اس جنگ میں کود پڑتا ہے۔

غنی قندھاری پاکستان میں آ کر آرا لگاتا ہے اور شادی کر لیتا ہے جس سے اس کی ایک نابینا بیٹی پیدا ہوتی ہے ۔وہ نابینا بیٹی سارا دن گھر میں رہنے کی وجہ سے اکتاہٹ محسوس کرتی ہے اور کبھی کبھی گھر سے باہر نکل کر خود کو آزاد محسوس کرتی ہے۔ ناول سے اقتباس ہے:

"جب سے گل جان جوان ہوئی تھی، غنی قندھاری کی
راتوں کی نیند اُڑ گئی تھی۔کچھ دنوں سے گل جان کو بھی
نیند نہیں آتی تھی۔وہ دیواریں ٹٹولتے ٹٹولتے دروازے
تک پہنچ جاتی۔دروازہ کے پٹ کھول کر عین گلی میں نکل
جاتی اور یوں لمبے لمبے سانس کھینچنے لگتی جیسے گزرنے والوں
کی مہک آنک رہی ہو۔ماں نے کئی بار اسے ڈانٹ ڈپٹ کی
ہر بار وہ کہتی کہ وہ انسانوں کی خوشبو اور ان کی آوازوں
کو چکھ سونگھ کر اپنے اندر ایک تصویر بنانا چاہتی ہے۔سب کچھ
دیکھ لینے والوں کی تصویر۔"(7)

اس کہانی میں محمد حمید شاہد نے اس جنگ کا ذکر کیا ہے جو افغانستان سے ہوتے ہوئے پاکستان میں گھس آئی ہے اور یہ جنگ ہم پر مسلط کر دی گئی ہے۔ طالبان نے پاکستان کے لوگوں کو اس لیے ٹارگٹ کرنا شروع کر دیا تھا کہ پاکستان نے اپنے فوجی اڈے کیوں دیئے ہیں۔افغان عوام پاکستان میں رہتے ہوئے پاکستان والوں سے نفرت کرتے ہیں ۔شیرین زمان جو غنی قندھاری کا بیٹا ہے وہ اپنی بہن پر خود کش حملہ کرتا ہے جس میں وہ لوگ مارے جاتے ہیں جن کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ناول میں حقیقت نگاری بہت زیادہ ہے۔کردار نگاری کو ایک خاص ترتیب سے پیش کیا گیا ہے جس سے ناول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جس کو کوئی عام قاری پڑھ کر سمجھ سکتا ہے۔اس ناول میں محمد حمید شاہد کہتے ہیں، ہم اس جنگ کا حصہ بن گئے ہیں جس کا ہم کبھی حصہ نہیں تھے ہمارے امام بارگاہ، ہماری مساجد، ہمارے بازار، ہمارے روڈ اور ہماری سیر و تفریح کی جگہیں کوئی محفوظ نہیں ہے۔ ہماری سیکورٹی ادارے، ہمارے سیاستدان، ہمارے کاروباری لوگ سب اس سے غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔ یہ جنگ ہمارے گھر میں داخل ہو گئ ہے۔ موضوع کے مطابق جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی، جہاں جنگ ہو وہاں محبت کے جذبات، رومان سب ماند پڑ جاتے ہیں۔ محبت امن مانگتی ہے سکون مانگتی ہے جہاں جنگ ہوں وہاں محبت نہیں نفرت غصہ ہوتا ہے۔اس لیے امن کے لیے کوشش کرنی چاہیے پیار تقسیم کرنا چاہیے۔

محمد حمید شاہد کے یہ دو ناول ایسے ناول ہیں جن کو پڑھ کر ہمیں معاشرے میں ہونے والے بگاڑ کا پتا چلتا ہے۔ محمد حمید شاہد کے یہ ناول اپنی مثال آپ ہیں۔ان ناولوں میں حقیقت نگاری پائی جاتی ہے۔ معاشرے میں ہونے والے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ محمد حمید شاہد کے پہلے ناول میں جس کا عنوان "مٹی آدم کھاتی ہے "اس میں مٹی بھی مٹی اور انسان بھی مٹی ہے آخر ہر چیز نے فنا ہو جانا ہے صرف بقاءاللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔اس ناول میں پاکستان میں بڑی بڑی حویلیوں کے اندر رہنے والے چھوٹے لوگ کیا کیا کرتے ہیں۔ان ناولوں میں حقیقت نگاری، رومان، نفسیاتی، سماجی، معاشرتی پہلوں کو مد نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ایک ناول میں بابار حمتا اور دوسرے میں ایک نابینا دوست جو کسی کے نہیں ہوتے جو ہمیشہ نقصان ہی دیتے ہیں اُن سے سوچ سمجھ کر ہاتھ ملانا چاہیے۔ محمد حمید شاہد نے دونوں ناولوں میں معاشرتی اور سیاسی پہلوں کو اجاگر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور معاشرے میں ہونے والے دکھوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ہم ان کو پڑھ سمجھ سکتے ہیں کہ حالات کیسے ہیں۔ اور ہم ان کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔

**حوالہ جات:**

1۔ محسن شہزاد، "اردو ناول کی مختصر روایت"، ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد۔ جون 2019ء

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

2۔ محمد حمید شاہد، "دیباچہ: مٹی آدم کھاتی ہے"،اکیڈمی بازیافت کراچی 2007ء ص8
3۔ محمد حمید شاہد، "دیباچہ: مٹی آدم کھاتی ہے"،اکیڈمی بازیافت کراچی 2007ء 15
4۔ محمد حمید شاہد، "مٹی آدم کھاتی ہے"،اکیڈمی بازیافت کراچی 2007ء ص85
5۔عبیداللہ عابد،نیوزولڈ یچو،سب کی خبر،14 مئی 2023ء
6۔ محمد حمید شاہد،سانس لینے میں درد ہوتا ہے، "ناول: جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی"، بک کارنر جہلم، پاکستان 14 اگست 2019ء ص 135تا136
7۔ محمد حمید شاہد،سانس لینے میں درد ہوتا ہے، "ناول: جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی"، بک کارنر جہلم، پاکستان 14 اگست 2019ء ص145